© rasailojaraid.com

قانون وقضا

دوسری /آخری قسط

حافظ صلاح الدین یوسف

خواتین ایکٹ کے عواقب ومضمرات

زیرنظرمضمون محترم حافظ صاحب حفظہ اللہ نے چند ماہ قبل ادارۂ محدث کو اشاعت کے لئے دیا تھا جس میں گذشتہ برس پاس ہونے والے تحفظِ حقوق نسواں بل کے خطرناک پہلوؤں کو نمایاں کیا گیا ہے۔ آج ہم بحیثیتِ قوم وملت جن مسائل کا شکار ہیں، اس تک پہنچنے میں ہماری ماضی کی المناک غلطیوں کا بہت بڑا عمل دخل ہے۔ اس مضمون کو پڑھتے جایئے اور اپنے قومی اعمال نامے پر شرماتے جایئے کہ جس قوم نے اپنے ربّ اور دین کے ساتھ یہ رویہ اختیار کیا ہو، اس کو کیونکر دنیا میں عزت وامان حاصل ہوسکتی ہے؟ اس موقع پر یہ بھی یاد رکھئے کہ اس قانون کا بنیادی ڈرافٹ پیپلز پارٹی کا ایک سیاہ کارنامہ ہے۔ روزِ قیامت نافرمانوں کو قرآن کی یہ وعید یاد رہنی چاہئے: ﴿يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا﴾ (النساء:۴۲) اس دن ربّ کے منکر اور رسول کے نافرمان یہ خواہش کریں گے کہ کاش آج ان بداعمالیوں کا سامنا کرنے کی بجائے زمین ان پر برابر کردی جائے، اور وہ اللہ سے ایک برا عمل بھی چھپا نہ پائیں گے۔'' ح م

یہی وجہ ہے کہ ہمارے حکمرانوں کے مغربی آقایانِ ولی نعمت نے حدود آرڈیننس کی تنسیخ اور اس کی جگہ نئے ترمیمی قانون کی نہ صرف حمایت کی ہے بلکہ اس پر نہایت مسرت کا اظہار کیا ہے۔ امریکہ اور برطانیہ وغیرہ کے مبارک بادی اور آشیر بادی کے پیغامات اخبارات میں شائع ہوچکے۔ اس سلسلے میں جسٹس خلیل الرحمٰن خان کے مضمون کا ایک حصہ بھی بڑا چشم کشا ہے جو روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور میں چار قسطوں میں شائع ہوا۔ جسٹس صاحب موصوف لکھتے ہیں:

''تحفظِ حقوقِ نسواں ایکٹ کے تحت جس طرح شادی کا اسلامی اور قانونی تصور مسخ کیا جارہا ہے، اسی طرح خاندانی نظام اور قانونِ وراثت میں ناجائز مداخلت کا دروازہ کھول دیا گیا ہے۔ اس ایکٹ کو پارلیمان سے منظور کرانے کا پس منظر کیا ہے؟ حکومتی حلقے اصرار سے دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ دور رَس تبدیلیاں عورتوں کی حالت بہتر بنانے اور ان کے حقوق کے حصول کو یقینی بنانے اور قوم و ملک کے بہترین مفاد میں کررہے ہیں۔ یہ تبدیلی نہ تو مغرب کے کلچر کی

© rasailojaraid.com

تقلید ہے اور نہ ہی یہ مغربی ایجنڈے کی پیروی ہے۔

قارئین بہرحال جانتے ہیں کہ بہت سی این جی اوز نے چند سال سے ڈالر کمانے کے لئے اسلامی قوانین کے خلاف کئی اداروں کی معاونت سے ایک طوفان برپا کررکھا تھا۔اس میں اس سال الیکٹرانک میڈیا بھی شامل کیا گیا۔ یہ بات زبان زدِ عام تھی کہ ایک صد ملین ڈالر بالادست قوت اسلامی قوانین کے خلاف مہم پر خرچ کررہی ہے۔ پھر یہ بھی دیکھا گیا کہ ایک ٹی وی چینل نے ہر بڑے شہر میں لمبے چوڑے بورڈ اور ہورڈنگ لگوائے۔ ٹی وی پر حدود قوانین پر پروگرام پیش کرنے سے پہلے جن پر لکھا تھا 'ذرا سوچئے'...... بھاڑ میں جائیں مشرقی اقدار، اسلامی عفت اور شرم وحیا کی روایات، اور ایکٹ کے نفاذ کے بعد اسی چینل پر سکرپٹ چلائی جاتی ہے: 'سوچنے کا شکریہ' مبارک ہو پارلیمان کے ممبران کو جن کے ووٹ سے قانون منظور ہوا اور مغرب کے ایجنڈا میں دیے گئے کام (Job) کی تکمیل ہوئی کیونکہ امریکہ کے اخبارات، ان کے کارپردازان اور تھنک ٹینک اس کام کی تکمیل پر ازحد خوش ہیں۔

امریکہ کے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے بیورو آفس آف ڈپلومیسی اور ہیومن رائٹس و لیبر کی مؤرخہ ۸/نومبر ۲۰۰۵ء کو جاری شدہ رپورٹ اس معینہ کام (Job) کے بارے میں بہت کچھ واضح کرتی ہے۔اس رپورٹ میں درج ہے:

"As part of its education reform Initiatory the U.S Govt. continued to help the Education Ministry revise its curriculum, including eliminating the teaching of religious Intolerance. Embassy Officials remained engaged with all parties involved in the Madrassah reform to encourage similar changes. Embassy Officials pressed Parliamentarians and the Government to revise blasphemy laws and Hadood Ordinance to minimise abuses and raised concerns with Government Officials and religious leaders over growing rhetoric against Ismaili followers of Aga Khan and sectarian strikes in the Northern Areas."

''تعلیمی اصلاحات کی ابتدائی کوششوں کے طور پر امریکی حکومت نے نصاب میں ترمیم کے

© rasailojaraid.com

لئے وزارتِ تعلیم کی امداد جاری رکھی، اس میں مذہبی عدم رواداری کی حامل تعلیمات کا نصاب سے اِخراج بھی شامل تھا۔امریکی سفارت خانے کے حکام نے مدارس کے نصاب میں بھی ایسی ہی تبدیلیاں لانے کے لئے تمام ذمہ داران سے مسلسل رابطے کا کام سرانجام دیا۔ سفارت خانے کے حکام نے ارکانِ پارلیمنٹ اورحکومت پر زور دیا کہ توہینِ رسالت آرڈیننس اور حدود آرڈیننس کے غلط استعمال کو کم سے کم کرنے کے لئے ان میں ترامیم کی جائیں۔ اُنہوں نے سرکاری حکام اور مذہبی رہنماؤں کے ساتھ ملاقاتوں میں اُنہیں اپنی اس تشویش سے آگاہ کیا کہ شمالی علاقہ جات میں آغا خان کے اسماعیلی پیروکاروں کے خلاف جذبات بھڑکائے جارہے ہیں اور وہاں فرقہ پرستی کے ہنگامے زوروں پر ہیں۔''

اس تیرہ صفحات پر مکمل رپورٹ میں تعلیمی نصاب کی تشکیل نو اور تشہیر، قادیانی اصحاب و دیگر اقلیتوں، اسماعیلی پیروکاروں سے سلوک اور مدارس کے نصاب میں تبدیلی کے بارے میں امریکی گورنمنٹ کی کوشش، تحریک اور تجاویز اورامریکہ کے سفارتکاروں کی ان معاملات میں حکومت پاکستان کے افسروں اور وزارتِ تعلیم اور وزارت مذہبی اُمور کو ترغیب اورمعاونت کی تفصیل درج ہے۔ رپورٹ کے آخر میں من جملہ باتوں کے جو اختتامی ریمارکس دیے، وہ قابل توجہ ہیں:

"Chief concerns during this reporting period included the blasphemy laws, the Hadood Ordinances, curriculum reform in public education and madrassah education. Systems, treatment of *Ahmedies* community, sectarian violence and growing social presure on Ismaill followers of Aga Khan...

The U.S Govt. continued to raise concerns in formally about the abuse of the blasphemy laws *Hadood* Ordinances with Govt. parliamentarians and Officials. Embassy Officials participated in a number of seminars that the NGO's organized to discuss these issues......

The new legislation that the Govt. enacted in January 2005 represented an important positive step in this

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

direction. As a part of its over all public education reform program valued at $ 100 million (5.8 Billion Rupees). The United States provided substantial financial support to the Govt's curriculum reform initiative. which included the teaching of religious intolerance.

''مذکورہ رپورٹ کے مطابق اس عرصے میں امریکی سفارتی حکام نے زیادہ تر توہین رسالت آرڈیننس، حدود آرڈیننس، تعلیم عامہ اور مدارس کی تعلیم، احمدی برادری سے سلوک، فرقہ ورانہ تشدد اور آغا خان کے اسماعیلی پیروکاروں پر روز افزوں سماجی دباؤ کے بارے میں تشویش ظاہر کی۔ امریکی حکومت کے اہلکاروں نے پاکستان کی حکومت، پارلیمنٹ کے ارکان اور حکام سے رسمی ملاقاتوں میں توہین رسالت قوانین اور حدود قوانین کے غلط استعمال بارے اپنی تشویش کا اظہار کیا۔ سفارت خانے کے حکام نے کئی سیمیناروں میں شرکت کی جو این جی اوز نے ان مسائل پر بحث کرنے کے لئے منعقد کئے۔

حکومت نے جنوری ۲۰۰۵ء میں جونئی قانون سازی کی، اس میں بھی اس سمت میں ایک اہم قدم اُٹھایا گیا۔ امریکہ نے اپنے آل پبلک ایجوکیشن ریفارم پروگرام کے ایک جزو کے طور پر جس کی مالیت ۱۰ کروڑ ڈالر (۵ء۸ ارب روپے) تھی، حکومت ِپاکستان کے نصابی اصلاحی اقدامات کے لئے خاطر خواہ مالی امداد فراہم کی، جس میں مذہبی عدم رواداری کی تعلیم (کے سدباب کے لئے دی گئی امداد بھی) شامل تھی۔''

اس کے بعد رپورٹ میں مدرسہ ریفارمز پروگرام کے بارے میں جو نتائج حاصل کئے گئے، ان کا ذکر ہے۔ مدرسہ ریفارم میں امریکی حکومت کا دباؤ، کردار اور مالی معاونت ایک الگ مضمون ہے؛ وہ بحث اور اس کی تفصیل کسی اور وقت کے لئے اُٹھائے رکھتے ہیں۔

سب سے پہلی بات کہ کسی آزاد اور باوقار قوم اور حکومت کے لئے اس طرح ڈکٹیشن لینا اور امریکی سفارتی عملہ کا اس حد تک دخل دینا کہاں تک جائز ہے۔ ہمارے ملک اور ہماری قوم کے لئے نصابِ تعلیم کیا ہونا چاہئے اور ہمارے قوانین کیا ہونے چاہئیں، یہ ہمارا اندرونی اور ذاتی مسئلہ ہے اور ہمیں بتایا بھی یہی جاتا ہے کہ یہ سب کچھ ہم کسی دباؤ کے تحت نہیں بلکہ خود اپنے قومی اور ملی مفاد میں کررہے ہیں لیکن ان سب رپورٹوں اور غیر ملکی اخباروں میں امریکی

© rasailojaraid.com

حکام کا دعویٰ کہ ہمیں خوشی ہے کہ ان کی ریفارم تحریک بارآور ہورہی ہے اور جب امریکی ڈالر اسی کام کی تکمیل کے لئے وصول کئے ہوں تو بہت نہیں تو تھوڑا سر تو نیچا کرنا ہی پڑتا ہے (شرم آئے یا نہ آئے) اور پھر کیا کیا جائے کہ جو کچھ ایسی رپورٹوں میں درج ہو، وہی ہمارے محترم وزرائے کرام کی پالیسی سٹیٹمنٹ میں بھی درج ہو۔ ملاحظہ ہو وزیر تعلیم کا بیان:

''جنرل مضامین سے اسلامی مواد ہٹا دیں گے۔ نیا تعلیمی نصاب زور دے گا کہ پاکستان مذہبی ریاست نہیں، سکولوں میں تنگ نظر مذہبی رجحانات کی حوصلہ شکنی کی جائے گی۔ بچوں کو محض مولوی نہیں بنانا چاہیے۔ دو قومی نظریہ سے پیچھے نہیں ہٹ رہے۔'' (نوائے وقت: ۱۹/ دسمبر)

وزیر باتدبیر کو کون بتائے کہ حضور آپ تو وہی زبان بول رہے ہیں جو کہ ہمارے اور آپ کے آقا کے بیانوں اور رپورٹوں میں درج ہیں۔ کون اُنہیں یاد دلائے کہ آپ آئین پاکستان کو بھی بھول گئے ہیں۔ آئین پاکستان کا آرٹیکل نمبر ۲ کہتا ہے کہ اسلام مملکت پاکستان کا مذہب ہے:

Islam shall be stat religion of Pakistan.

اور ابھی تک آرٹیکل ۲/الف بھی دستور کا حصہ ہے اور آغاز یا مقدمہ Preamble میں بڑی صراحت کے ساتھ اسلام، عقیدہ اور ایمان سے وابستگی اور عوام کی زندگی اسلام کے اُصولوں (جسے مغرب انتہا پسندی اور تنگ نظری کا نام دیتا ہے) سے زندگی استوار کرنے کے عزم کا اظہار کرتا ہے۔

اسلام تعلیم کے ذریعہ ہی ذہنی اور فکری انقلاب کا حامی ہے۔ ذہنی تربیت صرف اسلام کو ایک مضمون کے طور پر پڑھانے سے ممکن نہیں ہوتی جبکہ اس مضمون کو بھی خاص ڈھانچے میں ڈھالنے کا اہتمام ہو بلکہ یہ ایک ہمہ گیر پروگرام اور بامقصد تعلیمی پروگرام اور نظم سے ہی آتا ہے۔ اس ذہنی نشوونما میں فرق وہی کرسکتے ہیں جنہوں نے اسلامی سکولوں اور مشن سکولوں سے فارغ التحصیل بچوں کا کبھی موازنہ کیا ہو۔

مغرب کو کس قسم کا اسلام قبول ہے، اس کی وضاحت 'رینڈ کارپوریشن' (ایک امریکی تھنک ٹینک) کی رپورٹوں سے عیاں ہے۔ انور سعید ایک امریکی مسلمان مفکر کا کہنا ہے کہ رینڈ کارپوریشن کی رپورٹیں مغربی کلچر کی یلغار کا حصہ ہیں جو کہ اسلام کا چہرہ مہرہ تبدیل کرنا چاہتا ہے۔ بی نارڈ Benard جو زلمے خلیل زاد کی بیگم (زلمے خلیل زاد افغانستان میں امریکہ کے سفیر رہے ہیں اور آج کل وہ عراق میں تعینات ہیں) کی رپورٹ کے بارے میں لکھتی ہیں کہ

© rasailojaraid.com

اس رپورٹ میں تجویز دی گئی ہے کہ امریکہ کو ایک نئے اسلام کی ترویج کا ذمہ اپنے اوپر لینا چاہیے، ایک ایسا اسلام جو امریکی مفادات کے مطابق ہو:

"Benard in her report suggest that America take upon itself to devise nothing less than a new "Islam" carefuly crafted in order to suit American interest."

''بینارڈ نے اپنی رپورٹ میں یہ مشورہ بھی دیا کہ امریکہ ایک نیا اسلام وضع کرنے کا کام اپنے ذمے لے جو بڑی احتیاط سے گھڑا جائے تاکہ وہ امریکی مفادات کے لئے سازگار ہو۔''

سو پاکستان میں جدت پسند اور نئے اسلام کے حامی اور دیگر سیکولر خیال کی پولیٹیکل پارٹیز اسلامی قوانین، فوجداری نظام اور نظامِ تعلیم کو مغربیت کے پیمانے پر جانچتے ہوئے تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ مسلمانوں کے قوانین، روایات اور نظام کی روح اور مقاصد مغرب کے قوانین، روح اور مطمع نظر اور نظام سے کسی طور میل نہیں کھاتا۔ یہی وجہ ہے کہ دوقومی نظریہ، قائداعظم محمد علی جناحؒ اور شاعرمشرق کے خیالات اور سوچ کو نئے معانی پہنائے جارہے ہیں بلکہ اب تو کچھ لوگ دوقومی نظریہ سانحۂ ۱۹۷۱ء کے ساتھ ہی کالعدم اور غیر مؤثر ہونے کا پرچار بھی کررہے ہیں۔ یقین نہیں آیا تو دیکھئے اخبار 'ڈان' کا اداریہ مؤرخہ ۹ دسمبر ۲۰۰۶ء
اس یلغار کو روکنے کے لئے اسلامیانِ پاکستان کو آئین پاکستان، اس کے اسلامی نظریہ اور نظام کو بچانے کے لئے ایک سوچ اور ایک انداز کے ساتھ متحد ہوکر آگے آنا ہوگا۔ وگرنہ خالق و مالک کا فیصلہ تو اٹل ہے ہی۔'' (روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور: ۴،۵ جنوری ۲۰۰۷ء)

زیر بحث قانون کی وضاحت کے لئے چند واقعات اور خبریں

علاوہ ازیں چند واقعات بھی جو اخبارات میں شائع ہوئے ہیں، ہماری آنکھیں کھولنے اور اس قانون کی اصل حقیقت (جس کی وضاحت مذکورہ سطور میں کی گئی ہے) مزید واضح کرنے کے لئے کافی ہیں مثلاً، پیر پگاڑا نے اپنے اخباری ویا کھیان میں کہا:

- ''خواتین حدود بل وقت کی ضرورت ہے...... چار دیواری کے اندر بے ہودگی کی اجازت ہونی چاہیے۔'' ('نوائے وقت' لاہور: ۷ دسمبر ۲۰۰۶ء)

بے ہودگی کا مطلب وہی جنسی آزادی ہے جس کی سہولت تحفظِ خواتین ایکٹ میں دی گئی

© rasailojaraid.com

اور پیر پگاڑا نے اس کی تائید کی ہے، سچ ہے:

کند ہم جنس باہم جنس پرواز

کبوتر با کبوتر ؛ باز با باز

◉ ایک اور خبر ملاحظہ فرمائیں:

دیپالپور: حدود قانون کی مخالفت پر دو نوجوانوں نے بزرگ کو پیٹ ڈالا !!

نوجوان قانون پر خوشی کا اظہار کررہے تھے، بزرگ نے حقیقت بتائی تو وہ برہم ہوگئے۔

دیپالپور (نامہ نگار) تحفظِ حقوقِ نسواں بل پر دو نوجوان ایک بزرگ سے جھگڑ پڑے۔ تفصیلات کے مطابق گذشتہ روز مقامی کالج کے دو طالب علم کالج سے چھٹی کے بعد جنرل بس اسٹینڈ میں موجود حمام میں آئے اور کنگھا کرنے لگے۔ اسی دوران ایک طالب علم نے اپنے دوسرے طالب علم کو مخاطب ہوکر کہا کہ تحفظِ حقوقِ نسواں بل اب پاس ہوچکا ہے اور مکمل آزادی ہوگئی ہے اب اپنی دوست لڑکی کو کہیں لانے یا لے جانے میں کوئی دقت نہیں رہی۔ اب پولیس کو کوئی اختیار نہیں رہا کہ وہ کسی کو پکڑے یا مقدمہ درج کرے۔ ان کی گفتگو سن کر حمام میں موجود عمر رسیدہ بزرگ نے ان سے کہا کہ آپ کو اس وقت اس بات کا احساس ہوگا جب تمہاری بہن یا بیٹی سے کوئی ایسا کرے گا اور شکایت لے کر جاؤ گے اور پولیس تمہیں قانونی کارروائی سے معذرت کرے گی جس پر وہ دونوں طالب علم شدید مشتعل ہوگئے اور اس کے گلوگیر ہوگئے اور غلیظ گالی گلوچ کرنا شروع کردی۔ قریبی دوکانداروں نے حمام کے اندر جاکر بزرگ کی جان چھڑائی۔ (ماہنامہ 'حرمین' جہلم: شمارہ نومبر، دسمبر ۲۰۰۶ء)

◉ ایک اور مراسلہ ملاحظہ ہو جو 'نادیدنی' کے عنوان سے نوائے وقت لاہور (۹ جنوری ۲۰۰۷ء) میں شائع ہوا ہے:

''مکرمی! شام کے ۴ بجے تھے، ہم اپنی بیگم کو ساتھ لے کر لاہور کے ایک پارک میں واک کے لئے گئے اور بھی بہت سے مرد و خواتین اور بچے سیر و تفریح میں مشغول تھے اور سورج کی ہلکی تمازت کو انجوائے کررہے تھے۔ میری بیٹی اور اس کا دو سالہ بیٹا بھی وہیں آگئے کہ ہم نے دیکھا کہ ایک نوجوان قریباً چوبیس پچیس سال کا بغیر آستین کے ٹی شرٹ اور کالے رنگ کی پینٹ پہنے ہلکی ہلکی جوگنگ کررہا ہے۔ تھوڑا پیچھے سے ایک اٹھارہ انیس سال کی لڑکی کانوں کو

© rasailojaraid.com

ہیڈ فون لگائے چست ولائتی جامہ پہنے بھرپور جوگنگ کرتی ہوئی آئی۔ جونہی وہ اس نوجوان کے پاس سے گزری، ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر ہم لوگ دیکھتے ہی رہ گئے۔ ان دونوں کے بازو ایک دوسرے کی کمر میں حمائل ہوگئے اور چند قدم اسی طرح 'مخلوط' جوگنگ ہوئی اور پھر شاید شدتِ جذبات کا غلبہ ہوا کہ دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔ تمام دوسرے جوگنگ اور واک کرنے والے مرد وزَن دم بخود دیکھ خواتین نے منہ پرے کرلئے۔ وہ تو بھلا ہو وہاں موجود سیکورٹی گارڈ کا کہ وہ اپنے ایک ساتھی کے ساتھ بھاگتا ہوا آیا اور بآوازِ بلند کہا کہ صاحب یہ کوئی پیرس نہیں ہے، آپ کیا کررہے ہیں اور اُن دونوں نے اسی طرح لپٹے ہوئے حیرانگی اور حقارت سے گارڈ کی طرف دیکھا جس پر اُس نے ہمت کی اور ان کو ایک دوسرے کے 'پنجوں' سے چھڑایا۔''

آپ لکھتے رہئے، اپنی اقدار کے متعلق آپ کہتے رہئے کہ ہم غلام در غلام ہوتے جارہے ہیں اور ان کے جواب بھی سن رہے ہیں کہ کیا مرد عورتیں اکٹھے ہوائی جہاز میں سفر نہیں کرتے، کیا دفتر میں کام نہیں کرتے، کیا اکٹھے شاپنگ نہیں کرتے تو اکٹھے بھاگ لیا تو کیا کیا؟ اور پھر یہ بھی تو کہا گیا کہ جنہیں شرم آتی ہے یا جنہیں نہیں دیکھنا تو وہ گھر بیٹھیں یا منہ پرے کرلیں۔ ہم تو گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور اگر لبرل ازم اور ماڈرن ازم ہمارے پارکوں، ہماری سڑکوں یعنی ہمارے گھروں میں آجائے تو پھر کیا کریں؟ گھروں سے نکل کر ویرانوں میں چلے جائیں یا پھر حضرت اکبر الٰہ آبادی کے مطابق:

میں نے تو یہ سوچ رکھا ہے کہ اکبر آج سے
خانقاہ میں بیٹھ جاؤ ڈٹ کے قوالی سنو

سید محمد بابر شاہ (روزنامہ نوائے وقت، ۹ جنوری ۲۰۰۷ء)

◉ ایک اور اخباری تبصرہ ملاحظہ ہو

''دو غریب لڑکیوں سے جبری زیادتی یعنی Rape کا ایک کیس سامنے آیا۔ دونوں مظلوم لڑکیاں بیان درج کروانے عدالت پہنچ گئیں اور وہاں زار وقطار روتی رہیں۔ اس واقعے کی خبر اخبارات میں اس لئے چھپ گئی ہے کہ تحفظِ خواتین آرڈیننس ابھی سینیٹ سے پاس نہیں ہوا ہے۔ یہ قانون پاس ہوکر نافذ ہونے دیں پھر دیکھئے گا کہ ریپ کی شکار کس عورت میں اتنی

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

ہمت ہوتی ہے کہ وہ انصاف کے لئے فریاد کرے اور اخبارات میں خبر چھپوائے؟ بہرحال دو چار دن کی بات ہے ایسی خبریں خلافِ قانون قرار پائیں گی۔''

ایک اور اخباری کالم ملاحظہ ہو:

''یہ بل خواتین اور ان کے دوست مردوں کے حق میں ہے یا نہیں، یہ پولیس کے خلاف ضرور ہے۔ بظاہر یہی لگتا ہے کہ اس زنانہ ومردانہ تعلق اور رابطے میں پولیس کو دخل اندازی میں مشکل پیش آئے گی اور ایسی خبریں بند ہوجائیں گی جن میں بتایا جاتا ہے کہ کل رات فلاں ہوٹل یا گیسٹ ہاؤس پر چھاپہ مار کر اتنی عورتوں اور اتنے مردوں کو فحاشی اور بدکاری کے الزام میں گرفتار کرلیا گیا، اس کے بعد کیا ہوا اس کی خبر میں نے کبھی شاذ و نادر ہی دیکھی ہے، کیونکہ پولیس کی خصوصی دلچسپی گرفتاری کی حدتک ہوتی ہے اور اس کارروائی کے ثمرات سے اس کے بعد اگر یہ کیس عدالت میں جاتا ہے تو پولیس کی بلا سے وہاں عدالت جانے یا وکیل حضرات۔ مشہور ہے کہ لاہور کے ایک وکیل صاحب جنہوں نے اپنا کیمپ آفس تھانہ ٹبی (بازارِ حُسن) کے قریب قائم کررکھا تھا، اپنے پاس ضمانت ناموں کے عدلیہ سے دستخط شدہ فارم رکھا کرتے تھے اور بوقتِ ضرورت ان میں ملزم کا نام بھر کر تھانے میں پہنچ کر ملزم کو ضمانت پر رہا کرا لیتے تھے، خود پولیس بھی مقدمہ درج کرنے سے پہلے پہلے ایسی رہائی کردیا کرتی ہے۔ پولیس کو مشکل اس وقت پیش آتی ہے جب وہ مقدمہ درج کرکے چالان عدالت میں بھجوا دیتی ہے اور اس طرح ملزم اس کے ہاتھ سے نکل کر عدالت کے سپرد ہوجاتا ہے۔

یہ بل جسے تحفظِ نسواں بل کہا گیا ہے، میں نے بھی پڑھنے کی کوشش کی ہے، لیکن سوائے اس کے کہ اب مرد عورت کے تعلقات میں خاص آسانیاں پیدا ہوگئی ہیں، بات زیادہ سمجھ میں نہیں آسکی۔ وہ تو نفاذ کے لئے جب قانون تیار ہوگا تو کسی وکیل صاحب سے اس کے اَسرار ورموز سے باخبر ہونے کی کوشش کی جائے گی۔ ویسے ہم عام لوگوں سے زیادہ پولیس والوں کو فکر ہوگی اور جب یہ قانون اس کے پاس پہنچے گا تو پولیس کے ماہرین اس پر غور کریں گے اور اس نئے قانون کو اپنے لئے مفید اور کارآمد بنانے کے راستے تلاش کریں گے۔ خیال یہی ہے کہ ماہرین پولیس اس قانون کو کارآمد بنانے کے کئی راستے تلاش کرلیں گے، کیونکہ آج تک کوئی قانون ایسا تیار نہیں کیا جاسکا جس سے تھانیدار اور پٹواری کو بے بس کیا جاسکے۔

مشہور ہے کہ ایک سرکاری اہلکار شدید قسم کا بدعنوان تھا، بہت سوچا گیا کہ اس کو کیا ڈیوٹی دی

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

جائے کہ وہ بدعنوانی نہ کرسکے۔ عقلمند اہلکاروں نے طے کیا کہ اسے دریا کی لہریں گننے پر لگا دیا جائے، وہاں وہ کیا کرسکے گا۔ چنانچہ اسے دریا کے کنارے بھیج دیا گیا، چند دن بعد وہاں سے بھی اس کی شکایتیں آنے لگیں۔ معلوم ہوا کہ لہروں کی گنتی کے دوران کوئی کشتی اُدھر سے گزرتی تو وہ ملاح کو پکڑ لیتا کہ تم نے میری گنتی خراب کردی ہے اور لہروں کا حساب کتاب گڑ بڑ کردیا ہے۔

اس بل کی منظوری پر بازارِ حُسن وغیرہ میں بہت خوشی منائی گئی ہے اور خوشی منانے والوں نے ایک بات یہ کہی ہے کہ پولیس ہمارے کوٹھوں پر چھاپے مارتی تھی، اب وہ ایسا نہیں کرسکے گی۔ ان لوگوں کو خوش ہونے کا حق حاصل ہے، لیکن عین ممکن ہے ان کی یہ خوشی عارضی ثابت ہو اور پولیس تھانے میں بیٹھی ان پر ہنس رہی ہو کہ خوش ہولو قانون آنے دو پھر تمہیں پتہ چلے گا کہ تمہارے تحفظ کا کیا حال ہوتا ہے۔ یوں تو ایک مقابلہ حُسن میں شریک ایک پاکستانی لڑکی سحر محمود نے ایک بیان میں خوبصورت جسم کی نمائش کو ملک وقوم کے لئے بیرونی سرمایہ کاری سے زیادہ مفید اور اس کی نیک نامی اور مشہوری کا بہت بڑا ذریعہ قرار دیا ہے؛ کہا کہ اگر جنرل مشرف دو برس مزید رہ گئے تو پاکستان میں بھی ایسا مقابلہ حُسن منعقد ہوگا، لیکن معلوم ہوتا ہے اس پاکستانی لڑکی کا واسطہ کبھی قانون پر عملدرآمد کرنے والے پاکستانی اداروں سے نہیں پڑا جو فحاشی کے جرم میں اسے تھانے میں بند کرکے اس کے حسن کا معائنہ کرتے تو اسے پتہ چلتا کہ نمائش حسن اور مقابلہ حسن کیا ہوتا ہے اور اس سے ملک کی ترقی کیسے ہوتی ہے؟

اس بل کو مغربی دنیا میں بہت سراہا جارہا ہے اور امریکہ سے آنے والی خبروں میں بتایا گیا ہے کہ پاکستان اپنی دقیانوسیت سے نکل کر روشنی کی طرف بڑھ رہا ہے اور یہ ایک بہت ہی حوصلہ افزا امر ہے۔ مغربی دنیا کے پاس زندگی کا کوئی نظریہ تو ہے نہیں صرف ایک سرمایہ داری کا نظام ہے جو لوٹ مار پر مبنی ہے، اس کے پاس اگر کچھ ہے تو وہ اس کا کلچر ہے جسے وہ مغربی تہذیب وتمدن کا نام دیتا ہے۔ اسی کلچر کو پھیلانا اس کا مشن ہے جسے امریکی دانشور اور سیاستدان ہنری کسنجر نے 'روشن خیالی' اور 'اعتدال پسندی' کا نام دیا ہے۔ ہم نے اس بات کو اپنے پلے باندھ لیا ہے۔ امریکہ اگر روشن خیالی کے اسی رنگ ڈھنگ سے خوش ہوتا ہے تو ہمارا ایک صوفی تو بہت پہلے کہہ چکا ہے کہ ''مینوں نچ کے یار مناون دے''

یہ جو تحفظِ نسواں کا بل ہے، اس کا ایک خصوصی فائدہ اس رقص و سرور کا تحفظ ہے۔ مسئلے کا

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ہماری سوسائٹی میں راتوں کو جو کچھ ہوتا ہے وہ تو کسی قانونی مدد کے بغیر بھی ہو رہا ہے اور اسے کوئی روک نہیں سکتا، اسے تو انسان کا قدیم ترین پیشہ بھی کہا گیا ہے، اس لئے بہتر یہی تھا کہ اسے ایک قانونی جواز عطا کردیا جائے کہ چاردیواری کے اندر جو چاہو کرتے رہو، مگر اس انقلابی قانون کا فائدہ تب ہوگا جب پولیس کو بھی اس قانون کا قائل کیا جائے گا، ورنہ وہ اسے بھی دوسرے کئی قوانین کی طرح ناکام اور اپنی مطلب برآری کا ذریعہ بنا لے گی۔ ہمارے قانون سازوں کو اس طرف خصوصی توجہ دینی چاہئے اور اس قانون کی روشنی میں پولیس کا ریفریشر کورس کرانا چاہئے۔''

◉ اب ایک خاتون کا خط جو 'نوائے وقت' کے کالم 'نقشِ خیال' میں شائع ہوا، پڑھیے:

''یوں تو 'مضامینِ تازہ' کا ایک انبار سا لگا ہے اور ہر موضوع دامانِ قلم کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے لیکن آج ای ایم ای سوسائٹی لاہور سے مسز شہناز چودھری کا خط ملاحظہ فرمائیے:

''محترم عرفان صدیقی! آداب......'نوائے وقت' میں آپ کا کالم ضمیر کو تازہ دم رکھے ہوئے ہے۔ کاش آپ کی آواز صاحبِ اقتدار لوگوں تک بھی پہنچ پائے۔ آج کل تو روزانہ ہی تواتر سے ایسی دل خراش خبریں آرہی ہیں کہ دل سنبھالے نہیں سنبھلتا۔ ذرا ان خبروں کا تسلسل ملاحظہ ہو:

① حدود آرڈیننس میں ترمیم کا بل منظور ہوگیا۔
② صدر اور وزیراعظم نے اس بل کی منظوری پر قوم کو مبارکباد دی۔
③ ٹونی بلیر کی آمد پر فیصل مسجد میں 'لاؤڈ سپیکر پر عصر' کی اذان کی ممانعت کردی گئی۔
④ فوج کا ماٹو: ایمان، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ بدلا جارہا ہے۔

میں تو حیران ہوں کہ مسلمان ہوتے ہوئے ان خبروں پر مجھے ہارٹ اٹیک کیوں نہیں ہوا اور ہمارے علمائے کرام میں سے بھی کسی کی حرکتِ قلب بند نہیں ہوئی، میں سوچ رہی ہوں کہ اب جو خبریں آنے والی ہیں، وہ کچھ اس طرح کی ہوں گی:

① توہینِ رسالت پر موت کی سزا ختم کردی گئی۔ (میرے منہ میں خاک!)
② مرتد کی سزا ختم کردی گئی۔
③ اسقاطِ حمل کی قانونی اجازت دے دی گئی۔
④ ہم جنس پرستی جائز قرار دے دی گئی۔
⑤ پاکستان میں مقابلہ حُسن کا انعقاد ہو رہا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.co

⑥ شراب پر عائد پابندی ختم کردی گئی ہے۔
⑦ جوا خانوں کی تعمیر کی قانونی اجازت دے دی گئی۔

یاپروردگار! یہ سیلاب کہاں جا کر رُکے گا؟ کون اس کے سامنے بند باندھے گا؟ ہم یہ سب کچھ سننے، سب کچھ دیکھنے کے لئے کیوں زندہ رہے؟ کوئی تو اُٹھے جو کہے کہ جو یہ خرافات چاہتے ہیں، اُن کے پاس تو پہلے ہی امریکی ویزے ہیں، وہ وہاں کیوں نہیں چلے جاتے؟ وہ ہمارے اس جنت جیسے پاک وطن کو کیوں ناپاک کرنے پر تلے ہوئے ہیں؟ کیا یہ پچھلے سال ۸/اکتوبر کا زلزلہ بھول گئے ہیں؟ اب یہ کون سے عذابِ الٰہی کو دعوت دے رہے ہیں؟

قوم کو مہنگائی، فحاشی، عریانی اور ناچ گانے کے چکر میں اُلجھا کر، اسے بے حس کردیا گیا ہے۔ اسے ان سات برسوں کے دوران تقسیم در تقسیم کردیا گیا ہے۔ اب اگر خدانخواستہ کسی طرف سے مشرق یا مغرب سے ہم پر یلغار ہوئی تو کون لڑے گا؟ کیا ہم عراقی قوم کی طرح لڑ سکتے ہیں جنہوں نے امریکہ کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کردیا؟ کیا ہم افغانیوں کی طرح روکھی روٹی پیاز کے ساتھ کھا کر دشمن کا مقابلہ کرسکتے ہیں؟ پہلے تو ہندوستان سے لٹ کر اپنے گھر اور زمینیں جلتی چھوڑ کر ہمارے والدین اور آباؤاجداد پاکستان آگئے تھے، اب وہ کہاں جائیں گے؟ اے غفور الرحیم! ہمارے حکمرانوں کے دل اور دماغ کو بدل دے۔ یااللہ ان کو سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت دے؟ آخر اُنہوں نے امریکہ کو کیوں خدا مان لیا ہے؟

آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہمارے نوجوان جذبۂ جہاد کے تحت ہی فوج میں جاتے ہیں۔ اگر آپ 'جہاد' کے نعرے کو 'اتحاد' سے بدل دیں گے تو کون جائے گا؟ کیسا اتحاد؟ ہمارے حکمران اور سیاستدان اتحاد پیدا کررہے ہیں یا اتحاد کو پارہ پارہ کررہے ہیں؟ اگر جہاد کا نعرہ تبدیل کیا جارہا ہے تو فوجی تربیت گاہوں کا نصاب بھی ضرور بدلا جارہا ہوگا؟ کیا اس میں سے بھی جذبۂ جہاد اور جذبۂ ایمان پیدا کرنے والی وہ آیات نکالی جارہی ہیں جو ایک فوجی کیڈٹ میں Motivation پیدا کرتی ہیں؟ ......کوئی ہے جو وہاں کی خبر لائے؟

میں نے ۲۱ سال پڑھایا ہے۔ میں سائنس کی لیکچرر رہی ہوں جس نے بچوں کے سامنے ڈاکٹر قدیر کو رول ماڈل کے طور پر پیش کیا۔ میرے بہت سے شاگرد KRL اور غلام اسحٰق انسٹی ٹیوٹ میں کام کررہے ہیں اور ہمارے ہیرو کا کیا حال کردیا گیا ہے؟ عرفان صاحب! اب لکھا نہیں جارہا، دماغ شل ہوگیا ہے۔ کوئی تو کچھ کرے، یااللہ تو ہی رحم کر۔ آمین!''

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

اب اصل قانون پر گفتگو......صرف ایک نکتے پر بحث!

زنا کے انسداد کو حکومت کی ذمہ داری سے نکال کر اسے انفرادی اور پرائیویٹ معاملہ قرار دے دیا گیا ہے۔ جیسے کسی کا کوئی نقصان ہوجائے، اس پر کوئی ظلم و زیادتی کرے، اس کی جائیداد پر ناجائز قبضہ کرے تو وہ عدالت میں مقدمہ دائر کرے اور وہاں سے سالہا سال کی مقدمہ بازی کے بعد اور وکیلوں کی بھاری فیسیں اور عدالتی اخراجات کے بعد حصولِ انصاف کی کوشش کرے۔

اسی لئے اس جرم کو پولیس کی مداخلت سے بالکل آزاد کردیا گیا ہے، جب کہ کوئی ٹریفک سگنل توڑ دے، یا کسی گھر میں جعلی نوٹ چھاپنے کی پولیس کو اطلاع ملے تو اس قسم کے معمولی جرائم میں پولیس مداخلت کرسکتی ہے، پکڑ دھکڑ کرسکتی ہے، گھروں کے اندر چھاپے مار سکتی ہے لیکن زنا کاری اتنا ہلکا جرم ہے اور زنا کار مرد وعورت اتنے محترم ہیں کہ پولیس اس پر مطلع ہونے کے باوجود ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرسکتی۔ اس کی تفصیل

خوش تر آں باشد کہ سرّ دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

کے مصداق، ایک محترم کالم نگار جناب ثروت جمال اصمعی کے الفاظ میں حسبِ ذیل ہے:

''حقوقِ نسواں بل کی منظوری کے بعد جو صورتِ حال پیدا ہوگئی ہے وہ یہ ہے کہ فرض کیجئے خدانخواستہ آپ کے پڑوس میں بدکاری کا کوئی اڈّہ کُھل جاتا ہے۔ تو اب آپ نہ تو اس کی رپورٹ مقامی تھانے میں کرسکتے ہیں نہ پولیس ازخود اس کے خلاف کوئی کارروائی کرسکتی ہے۔ آپ اس اڈّے کو بند کرانا چاہتے ہیں تو آپ کو سیشن کورٹ سے رجوع کرنا ہوگا۔ تاہم وہاں بھی محض کوئی رپورٹ درج کرانے سے کام نہیں بنے گا۔ اگر آپ کے سر میں بدی کے خاتمے کا سودا سمایا ہے تو اس کے لئے پہلے چار ایسے افراد تیار کرنے ہوں گے جو تحریری اور حلفیہ گواہی دے سکیں کہ اس اڈّے پر بدکاری ہوتے اُنہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے۔ پھر اُن چاروں کو لے کر آپ کو عدالت جانا ہوگا۔ عدالت کے طریق کار کے سارے تقاضے پورے کرنے ہوں گے۔ اس کے بعد یہ چاروں گواہ آپ کی مدعیت میں اپنے حلفیہ تحریری بیان جمع

© rasailojaraid.com

کرائیں گے۔ اس کے باوجود جج صاحب کو اگر آپ کے دعوے اور گواہوں کے بیانات پر اطمینان نہیں ہوتا تو وہ آپ پانچوں کے خلاف کسی مزید ثبوت کے بغیر اور آپ کو اپنے دفاع کا کوئی موقع دیے بغیر محض اپنی صوابدید پر حد قذف جاری کرسکیں گے جو شرعاً تو ۸۰ کوڑے ہے مگر نئے قانون میں پانچ سال قید مقرر کی گئی ہے۔ یعنی آپ میں سے ہر ایک کو معاشرے کو برائی سے پاک کرنے کے شوق کی پاداش میں پانچ سال قید کی سزا بھگتنی ہوگی۔ گویا بدکاری اب ریاست کے خلاف کوئی جرم نہیں ہے۔ ریاست اپنے طور پر اسے ختم کرنے کی ذمہ دار نہیں ہے۔ فحاشی کے اڈّوں کی روک تھام اب پولیس اور انتظامیہ کے فرائض میں شامل نہیں ہے۔ اگر کسی کو اس سے تکلیف پہنچ رہی ہو تو وہ خود گواہ لے کر عدالت جائے اور مجرموں کو سزا دلانے سے کہیں زیادہ یقینی طور پر خود سزا پانے کے لئے تیار ہوکر جائے۔ ظاہر ہے اس کے بعد اگر طوائفوں نے اس بل کی منظوری پر مٹھائیاں بانٹی ہیں تو اُنہیں ایسا کرنا ہی چاہئے تھا۔ یہی صورتِ حال اس شخص کو بھی پیش آئے گی جس کی کسی عزیزہ کے ساتھ جبراً زیادتی کی گئی ہو۔ مجرم کے خلاف اب وہ تھانے میں رپورٹ درج نہیں کراسکتا۔ اس کے بجائے اسے حلفیہ بیان کے لئے چار گواہ تیار کرکے اُنہیں عدالت لے جانا ہوگا اور ان گواہوں کو بھی قذف کی سزا کا خطرہ مول لے کر گواہی دینی ہوگی۔ ریاست اور اس کی مشینری مجرم کے خلاف کسی تفتیش اور جرم کے ثبوت کی تلاش کی ذمہ داری سے مبرا ہوگی۔ پھر اگر کسی پر جرم مکمل طور پر ثابت بھی ہوجائے تو اسے قرآن وسنت میں مقرر کردہ سزا دینے کے بجائے جج اپنی صوابدید کے مطابق کچھ قید اور جرمانے کی سزا دے کر اس کی گلوخلاصی کردے گا۔ اس طرح یہ قانون قرآن وسنت کی منشا کے بالکل برعکس مجرم کے لئے سہولتیں فراہم کرے گا جبکہ اس کی ہوس کا نشانہ بننے والی مظلوم عورت کی ریاست کوئی مدد نہیں کرے گی بلکہ اس کی دادرسی کی راہ میں تقریباً ناقابل عبور مشکلات حائل ہوں گی۔ اسی لئے علماے کرام اس قانون کو انسدادِ بدکاری کے بجائے قرآن وسنت سے صریحاً متصادم 'فروغِ بدکاری کا قانون' قرار دے رہے ہیں۔''

(روزنامہ 'جنگ' لاہور: ۱۰ دسمبر ۲۰۰۶ء)

اس کے لئے عذر یہ تراشا گیا ہے کہ ایک تو پولیس لوگوں کو ہراساں کرتی ہے۔ دوسرے، گھروں کی حرمت پامال ہوتی ہے۔ سبحان اللہ! اسے کہتے ہیں: عذرِ گناہ بدتر از گناہ!

© rasailojaraid.com

کوئی ان سے پوچھے،کون سا قانون یا معاملہ ایسا ہے جس میں پولیس کا رویہ نامعقول نہیں ہوتا؟ پھر تو ہر معاملے میں ہی اور ہر قانون پر عملدر آمد کرانے میں ہی پولیس کا کردار ختم کرنا چاہئے، نہ کہ صرف زنا کے معاملے ہی میں۔

اسی طرح گھر کی حرمت کا خیال زنا کاروں کے معاملے ہی میں کیوں؟ کسی بھی معاملے میں پولیس کو گھروں میں چھاپے مارنے کی اور گھروں کی حرمت پامال کرنے کی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مسئلہ نہ گھر کی حرمت کا ہے اور نہ پولیس کے ہراساں کرنے کا، اصل بات جو اس قانونِ زیر بحث کے خالقوں کے ذہنوں میں ہے، وہ ہے بدکاری کو فروغ دینا اور اس راہ کی تمام رکاوٹوں کو دور کرنا۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ جرمِ زنا کو ناقابل دست اندازیٔ پولیس ہی قرار نہیں دیا گیا بلکہ مقدمے کے اندراج کا طریقہ بھی ایسا انوکھا ایجاد کیا گیا ہے جو ساری دنیا سے نرالا ہے اور ایسا مشکل ہے کہ کوئی زنا کی شکایت درج ہی نہیں کرا سکے گا۔ گویا

نہ نو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی

☜ پھر زنا کی تقسیم زنا بالرضا اور زنا بالجبر کا پس منظر بھی مغربی معاشرہ ہے۔ اسلام میں زنا کی یہ تقسیم نہیں، ہر دو صورت میں اجنبی مرد وعورت کا آپس میں جنسی تعلق قائم کرنا 'زنا' ہے اور دونوں قسم کی سزا بھی ایک ہے۔ البتہ جبر کی صورت میں حد کا نفاذ صرف جبر کرنے والے پر ہوگا، مجبور مرد یا عورت مستثنیٰ ہوگی۔ اسلام میں زنا کی دو قسمیں نہیں، البتہ زنا کاروں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک شادی شدہ زانی اور دوسرا غیر شادی شدہ (کنوارا) اور ان دونوں کی سزاؤں میں بھی فرق ہے۔ شادی شدہ زانی مرد وعورت کی سزا سنگساری (رجم) ہے یعنی نہایت عبرت ناک انداز سے پتھر مار مار کر اس کی زندگی ختم کر دینا ہے اور کنوارے زانی مرد و عورت کی سزا سو کوڑے ہیں۔

سب سے بڑا ظلم زنا کی اصل سزا کا خاتمہ ہے جو سو کوڑے یا رجم ہے جیسا کہ ابھی وضاحت کی گئی۔ اسی طرح قذف کی اصل سزا بھی جو ۸۰ کوڑے ہے، ختم کر دی گئی ہے اور ان کی جگہ دونوں جرموں کی سزا ۵ سال تک قید اور ۱۰ ہزار روپے تک جرمانہ ہے۔ البتہ زنا بالجبر کی

© rasailojaraid.com

سزا ۲۵ سال قید یا موت ہے۔

یہ تبدیلی قرآن سے بغاوت اور کفر وارتداد کے مترادف ہے۔ ان تمام حضرات کو جنہوں نے اس کو معرضِ تحریر میں لانے، اس کی بابت فکری مواد مہیا کرنے، اس کی نوک پلک سنوارنے اور اس کو پاس کرانے میں گونگے شیطان بنے، حصہ لیا۔ ان سب کو اپنے ایمان کی خیر منانی چاہئے اور اگر ایمان کی کوئی رَمق ان کے اندر باقی ہے تو توبہ کرکے اپنے ایمان کی تجدید کرنی چاہئے، کیونکہ قرآن کا فیصلہ ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (النساء:۶۵)

''آپ کے ربّ کی قسم! یہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتے جب تک اپنے باہمی اختلافات میں آپ کو حَکَم (ثالث) تسلیم نہ کرلیں، پھر آپ کے فیصلوں پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی بھی محسوس نہ کریں اور دل وجان سے اس کو تسلیم کرلیں۔''

نیز فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾ (الاحزاب:۳۶)

''کسی مؤمن مرد اور کسی مؤمنہ عورت کے یہ لائق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کردیں، تو (اس کے بعد) ان کے معاملے میں ان کا اختیار ہو اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے، یقیناً وہ کھلی گمراہی میں جا پڑا۔''

ایک اور ستم ظریفی یہ کی گئی ہے کہ ۱۶ سے کم عمر کی لڑکی اگر بدکاری کا ارتکاب کرے گی تو ہمیشہ کے لئے یہ قطعی اور پیشگی فیصلہ کردیا گیا ہے، گویا کہ اس قانون کے بنانے والے علام الغیوب ہیں کہ یہ زنا بالجبر ہی ہوگا۔ اس لئے سولہ سال سے کم عمر کی بچی سزا سے مستثنیٰ ہوگی، اور سزا صرف مرد کو ملے گا (اگر ملی تو)

ظاہر بات ہے کہ ایک تو قطعی فیصلہ یکسر غلط ہے؛ ۱۴،۱۵ سال کی بچیاں رضامندی سے زنا کرسکتی ہیں، دوٹوک انداز میں اس کی نفی کردینا ہر لحاظ سے غلط ہے۔

دوسرا، یہ باور کرلیا گیا ہے کہ لڑکی سولہ سال سے پہلے بالغ نہیں ہوتی۔ یہ بھی حقائق و

© rasailojaraid.com

واقعات کے یکسر خلاف ہے۔ بلوغت کا تعلق صرف عمر سے نہیں ہے بلکہ علامات سے زیادہ ہے جیسے احتلام، حیض وغیرہ۔ بالخصوص آج کل ہمارے ملک میں ۱۲ سال سے ۱۵ سال کے درمیان اکثر بچیاں بالغ ہوجاتی ہیں۔ بنا بریں اس عمر کی بچیوں کو جنسی خواہش سے مبرا قرار دے کر سزا سے مستثنیٰ کرنا نہایت تعجب خیز امر ہے۔

دراصل اس قانون کے خالق چاہتے یہ ہیں کہ ہمارا معاشرہ جنسی بے راہ روی میں مغرب کے معاشروں سے کسی طرح پیچھے نہ رہے۔ مغرب میں اس عمر کی بچیاں نوجوان لڑکوں سے جنسی تلذذ حاصل کرنے میں کوئی عار نہیں سمجھتیں، حتیٰ کہ ان کو حمل بھی ٹھہر جائے تو یہ بھی ان کے ہاں عیب نہیں، نہ معاشرہ ہی ایسی نوعمر بچیوں کے بن بیاہی مائیں بننے پر کوئی حرف گیری یا انگشت نمائی کرتی ہے۔ مشرق کے 'مغربی' بھی یہی چاہتے ہیں کہ یہاں بھی بن بیاہی ماؤں کا ایک طوفان آجائے جیسے مغرب میں یہ طوفان ساری حدوں کو توڑ چکا ہے۔

☜ ایک اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ زیر بحث قانون کی ترمیم نمبر ۵ کی رُو سے اگر کوئی خاوند اپنی بیوی سے اُس وقت مباشرت کرے جب بیوی اس کام کے لئے آمادہ نہ ہو، تو یہ بھی زنا بالجبر کا ارتکاب ہوگا جس کی خودساختہ سزا، سزائے موت یا سزائے قید جو کم سے کم دس سال اور زیادہ سے زیادہ ۲۵ سال ہوسکتی ہے اور وہ جرمانے کی سزا کا بھی مستوجب ہوگا، کیونکہ اس دفعہ کے الفاظ حسبِ ذیل ہیں:

''کسی مرد کو زنا بالجبر کا مرتکب کہا جائے گا جب وہ کسی عورت کے ساتھ مندرجہ ذیل پانچ حالات میں سے کسی صورت میں جماع کرے:

① اس کی مرضی کے خلاف ② اس کی رضامندی کے بغیر......''

کسی عورت کے عموم میں بیوی بھی شامل ہے، کیونکہ بیوی یا منکوحہ یا مملوکہ کا استثنا اس میں نہیں ہے، لہٰذا اپنی بیوی کے ساتھ بھی اس کی رضامندی کے بغیر جماع کرنا ایسا جرم ہوگا جس کی سزا، سزائے موت ہوسکتی ہے۔

یہ کوئی خوامخواہ کی موشگافی، بذلہ سنجی یا لطیفہ گوئی نہیں ہے بلکہ یہ وہ حقیقت ہے جس کا اظہار اُس طبقے کی خواتین کی طرف سے ہوتا رہا ہے جس کی خوشنودی کے لئے امریکہ بہادر بھی 'ایڈ'

© rasailojaraid.com

دے رہا ہے اور اس کی خاطر یہ سارے پاپڑ بھی بیلے جا رہے ہیں۔ مغرب زدہ بیگمات کی اس خواہش کو بھی قانون کا جامہ پہنا دیا گیا ہے۔ کوئی مشرقی حیا و وفا کی پیکر عورت چاہے ایسا نہ کرے، لیکن مغربی تہذیب کی والہ وشیدا عورت مستقبل قریب میں یورپ کی یہ روایت یہاں بھی دہرا سکتی ہے کہ خاوند کے زبردستی جماع کی خواہش پورے کرنے پر خاوند میاں حوالہ زنداں کر دیئے جائیں گے، کیونکہ وہاں ایسے مقدمات قائم ہو چکے ہیں اور شوہر میاں سزایاب!

جب کہ اسلام کا حکم یہ ہے کہ عورت کی طبیعت آمادہ ہو یا نہ ہو، خاوند اگر جنسی خواہش کی تسکین چاہتا ہے تو عورت فوراً سر تسلیم خم کر دے خواہ وہ تنور ہی پر بیٹھی ہو۔ اگر وہ ایسا نہیں کرے گی تو نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ ساری رات فرشتے اس عورت پر لعنت کرتے رہتے ہیں کہ اس نے خاوند کی خواہش کا احترام نہیں کیا۔

☜ اسلام میں یہ بھی ہے کہ معاملہ عدالت میں جانے کے بعد یا مقدمے کا فیصلہ ہو جانے کے بعد کسی کو معاف کرنے کا حق نہیں ہے۔ اللہ کے رسول کو بھی یہ حق حاصل نہیں تھا۔ لیکن زیر بحث قانون میں یہ حق صدرِ مملکت کے علاوہ صوبائی حکومتوں کو بھی دے دیا گیا ہے کہ وہ فیصلہ ہو جانے کے بعد مجرم کو معاف کر سکتی ہیں۔

گویا اوّل تو اثباتِ جرم کا طریقہ ایسا نرالا، اتنا مشکل اور ایسا پیچیدہ بنا دیا گیا ہے کہ کسی کو زانی ثابت ہی نہیں کیا جا سکے گا اور اگر کوئی کسی وجہ سے مجرم ثابت ہو بھی گیا تو سزا پھر بھی یقینی نہیں، البتہ اس کی بریت اور رہائی یقینی ہے کہ معاف کرنے والے اس کی معافی کا پروانہ جاری کر دیں گے۔ علاوہ ازیں اعترافِ جرم پر بھی سزا کا کوئی تصور موجودہ ایکٹ میں نہیں ہے!

گویا عبرت ناک سزائیں اور اللہ و رسول کی مقرر کردہ حدیں ہی ختم نہیں کی گئیں بلکہ اس امر کا پورا اطمینان حاصل کر لیا گیا ہے کہ یہ خود ساختہ برائے نام سزائیں بھی کسی کو نہ مل سکیں اور یوں ہم اپنے مغربی آقاؤں کو یہ کہہ سکیں کہ ہم نے بھی آپ کی طرح زنا کو جرم نہیں، بلکہ اس کا ارتکاب کرنے والوں کا 'حق' سمجھا ہے۔ ہم بھی آپ ہی کی طرح لبرل اور روشن خیال ہیں، اپنا حق 'وصولنے' پر سزا کاہے کی؟ 'انتہا پسند' بے شک شور مچائیں لیکن

کون سنتا ہے فغانِ درویش   یا   آوازِ سگاں کم نہ کند رزق گدارا